از کتاب ''اپنی جمہوریت یہ تو دنیا نہ آخرت''

'اسلامی جمہوریت' کا فلسفہ!

پچھلی نصف صدی سے ہمیں 'جمہوریت' کے کولہو میں جوت رکھنے والے حضرات یہاں ایک نکتہ لے کر آتے ہیں:

'صاحب اپنے یہاں جو جمہوریت پائی جاتی ہے آپ خوامخواہ اسے مغربی جمہوریت سمجھ بیٹھے، حالانکہ یہ تو اسلامی جمہوریت ہے'!

'ڈیموکریسی' ایک عالمی حوالہ ہے۔ اِس کا ایک معروف تاریخی پس منظر ہے۔ نظریات کی دنیا میں یہ لفظ کچھ مخصوص معانی اور مفہومات ادا کرنے کے لیے وضع ہوا ہے۔ دنیا کے کسی فورم پر جب آپ 'ڈیموکریسی' بول کر آتے ہیں تو جہان بھر کے صحافی، دانشور، نقاد، ادیب، مفکرین اِس سے ایک مخصوص مطلب ہی لیتے ہیں۔ اِس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ سیاسیات کے باب میں 'ڈیموکریسی' عین اُسی طرح ایک (باقاعدہ) نظریہ اور نظام ہے جس طرح معاشیات کے باب میں 'سوشلزم' یا 'کیپٹل ازم'۔ ایسے کسی بھی 'ازم' یا 'کریسی' کے ساتھ 'اسلامی' کا جوڑ لگانا درحقیقت مضحکہ خیز ہے۔ اس کی ایک نہایت سادہ وجہ ہے جو ہم آپ کی خدمت میں عرض کر دیتے ہیں:

دنیا کے یہ جتنے 'ازم' اور 'کریسیاں' ہیں... ان کا اصل مدمقابل روئے زمین پر اگر کوئی تھا اور ہے تو وہ ''اسلام'' ہی ہے۔ انسانی زندگی کو چلانے کا دعویٰ لے کر اٹھنے والا ایک نظریہ اور نظام ہونے کے ناطے 'ڈیموکریسی' اور 'سوشل ازم' اور 'کیپٹل ازم' وغیرہ کی جنگ دنیا میں کسی سے تھی تو وہ اسلام سے تھی۔ یہی جنگ جو کہ عالمی منظرنامے پر اسلام کو ایک طویل عرصے سے درپیش ہے آج اپنی انتہا کو جا پہنچی اور چیخ چیخ کر صلائے عام دینے لگی ہے، مگر ہم

ہیں کہ شاید اس کو توجہ دینے پر تیار نہیں۔ اس میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں، تاریخ کے 'مذہبی' ادوار[1] میں اسلام کو جس قدر پالا 'عیسائیت' اور 'یہودیت' اور 'ہندومت' سے تھا آج کے اِن 'غیر مذہبی' ادوار[2] میں اسلام کو اُسی قدر پالا 'سوشل ازم' اور 'کیپٹل ازم' اور 'ڈیموکریسی' سے ہے۔ اسلام وہ واحد دین ہے جو (معروف معنوں میں)[3] انسانی زندگی کے

---

[1] **تاریخ کے 'مذہبی' ادوار سے مراد:** جب معاشرے دنیا میں اپنی پہچان 'عیسائی'، 'یہودی'، 'ہندو' معاشرہ اور ''مسلم معاشرہ'' کے طور پر کراتے تھے۔

[2] **حالیہ 'غیر مذہبی ادوار' سے مراد:** جب معاشرے اپنی پہچان 'اشتراکی'، 'سرمایہ داری'، 'جمہوری' معاشرے کے طور پر کراتے ہیں، ان کے مقابلے پر آج بھی ہمیں اپنی پہچان ''مسلم معاشرہ'' کے طور پر کرانی تھی (کیونکہ ہماری یہی واحد پہچان قیامت تک کے لیے ہے هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ)، مگر نہ کرا سکے، تب نہ آسمان سے نصرت آئی اور نہ زمین سے فراوانی ملی، سوائے ذلت، خوف اور بھوک کے جس کی کوئی حد تھی نہ حساب۔ زمینی نظریوں اور نظاموں کے مقابلے پر آپ اپنی خالص آسمانی پہچان ہی نہ کرا پائیں تو خدا سے کس چیز کی امید رکھیں گے؟!

[3] اردو میں 'مذہب' کا لفظ آج عین وہ معنیٰ ادا کرتا ہے جو انگریزی میں 'ریلیجئن' یا ہندی میں 'دھرم' کا لفظ۔ یعنی کچھ غیبی (metaphysical) عقائد، کچھ شعائرِ عبادت (rituals)، نیز غمی خوشی اور کھانے پینے وغیرہ کے چند کوڈز اور کچھ گنے چنے تہوار۔ 'مذہب' کا دائرہ ہی جب یہ ہے؛ لہٰذا انسانی زندگی کے جوانب مانند سیاسیات، معاشیات، تعلیم، ثقافت، جہانبانی، صلح وجنگ، ڈپلومیسی وغیرہ کو 'غیر مذہبی' خانوں میں رکھ کر دیکھا جاتا ہے۔ البتہ ''دین'' آپ جس چیز کو کہتے ہیں اُس میں انسانی زندگی کے یہ سب جوانب آتے ہیں۔ یعنی ''دین'' آج کے معروف معنوں میں 'مذہبی' معاملات کو بھی شامل ہے اور 'غیر مذہبی' معاملات کو بھی۔ تاریخ کی اِن آخری صدیوں میں یورپی معاشرے اور پھر ان کی دیکھا دیکھی دنیا کے تقریباً سبھی معاشرے 'مذہب' کی سیادت کا انکار کرتے ہوئے اپنے آپ کو 'غیر مذہبی' معاشرے ڈیکلیئر کر چکے ہیں

’مذہبی‘ جوانب پر بھی پورا اترتا ہے اور ’غیر مذہبی‘ جوانب پر بھی۔ اس لیے اسلام کا تقابل جس قدر عیسائیت اور یہودیت اور ہندومت ایسے ’مذہبی‘ ادیان سے ہے اُسی قدر اسلام کا تقابل سوشل ازم، کیپٹل ازم اور ڈیموکریسی ایسے ’سماجی‘ ادیان سے ہے۔ اس پر آپ کو تعجب ہوتا ہے تو وہ صرف اِس وجہ سے کہ اسلام کو آپ ’مذہب‘ کے خانے میں رکھنے کے عادی ہیں اور ”دین“ کے طور پر لینا بڑی دیر سے ترک فرما چکے ہیں۔ ورنہ جس قدر بامعنی آپ کی نظر میں ”اسلام بہ مقابلہ عیسائیت“ یا ”اسلام بہ مقابلہ مجوسیت“ یا ”اسلام بہ مقابلہ ہندومت“ ہو سکتا تھا اُسی قدر بامعنٰی ”اسلام بہ مقابلہ سوشل ازم“ اور ”اسلام بہ مقابلہ کیپٹل ازم“ اور ”اسلام بہ مقابلہ ڈیموکریسی“ ہونا چاہیئے تھا۔ ”دین“ کا یہ تصور آپ پر واضح ہوتا تو یقیناً آپ مانتے کہ اسلام کی مڈھ بھیڑ آج ہے ہی ”اشتراکیت“ اور ”سرمایہ داری“ اور ”جمہوریت“ وغیرہ ایسے (ماڈرن) ادیان کے ساتھ۔ تب ”اسلام اور اشتراکیت“ یا ”اسلام اور جمہوریت“ کے مابین مشترک نکات نکال نکال کر دکھانے کی بجائے آپ اِن کی اِس جنگ میں فریق بننے کے لیے بے چین ہوتے؛ کہ دورِ حاضر میں حق وباطل کا سب سے بڑا معرکہ یہی تھا۔ تب جتنا تعجب آپ کو ’اشتراکی سرمایہ دار‘ یا ’سرمایہ پرست اشتراکی‘ یا مودودی صاحبؒ کے الفاظ میں ’گوشت خور ویجی ٹیرئن‘ ایسی ایک بیہودہ ترکیب سن کر ہوتا اتنی ہی حیرت آپ ’اسلامی جمہوریت‘ ایسی انہونی ترکیب پر ظاہر فرماتے۔ اس صورت میں یہ اشکال بھی ہرگز آپ کے ہاں جگہ نہ پاتا کہ صاحب ”اسلام اور اشتراکیت کے مابین“ یا ”اسلام اور جمہوریت کے مابین“ بہت سی جگہوں پر مماثلت بھی تو

اور ”دین“ کے غیر مذہبی جوانب کو ہی اپنی مرکزیت کی بنیاد اور اپنی اجتماعی شناخت قرار دے چکے ہیں۔ چنانچہ عیسائیت، مجوسیت، ہندومت وغیرہ آج ”فرد“ کا دین ہیں البتہ ڈیموکریسی، ہیومن ازم، سوشل ازم اور کیپٹل ازم وغیرہ ”معاشرے“ کا دین ہیں۔

آخر پائی جاتی ہے! بعینہٖ جس طرح اِس اشکال کی آپ کے ہاں کوئی گنجائش نہیں کہ "اسلام اور عیسائیت کے مابین" یا "اسلام اور یہودیت کے مابین" بہت سے مقامات پر مماثلت پائی جاتی ہے، بہت سے معاملات میں "اسلام اور عیسائیت" کا یا "اسلام اور یہودیت" کا موقف ہوبہو ایک ہے؛ لہٰذا 'عیسائی اسلام' یا 'اسلامی عیسائیت' یا 'اسلامی یہودیت' ایسی کوئی ترکیب بھی دنیا کے اندر نکال لائی جائے! صاف سی بات ہے ہر باطل نظریہ، نظام یا مذہب ایک کُل کا نام ہے اور ان میں سے ہر ایک کا کچھ نہ کچھ اشتراک اسلام کے ساتھ لازماً ہو گا۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: دنیا کا کوئی باطل ایسا ہے ہی نہیں جس میں کچھ نہ کچھ حق نہ پایا جاتا ہو کیونکہ حق تعالیٰ نے جس سلیم فطرت پر انسان کی تخلیق فرمائی ہے وہ کسی باطلِ محض پر فریفتہ ہونا جانتی ہی نہیں؛ اس کو پرچانے کے لیے لازم ہے کہ آپ حق ہی کی کوئی بات لے کر آئیں اور پھر اس کے ساتھ باطل کا پورا ایک تانابُن دیں۔ پس اِس معنیٰ میں انسانی فطرت حق پرست ہے؛ لہٰذا حق کی ایک گونہ آمیزش ہر باطل نظریہ، نظام اور مذہب کی مجبوری۔ چنانچہ جہاں تک اتباع کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لیے آپ کو مطلق حق درکار ہے؛ اور جو کہ آج کے دور میں صرف شرعِ محمدؐ سے دستیاب ہے۔ البتہ رد کرنے کے لیے ایک چیز کا مطلق باطل ہونا ضروری نہیں؛ ایک نظریے یا نظام یا مذہب میں اگر کچھ بھی باطل ہے تو وہ رد ہو گا؛ اور وہاں اس کے 'اسلام کے ساتھ مشترک نکات' کا اعتبار کر کے اسلام اور اُس کے مابین بیچ کی راہ نہیں نکالی جائے گی۔ یوں ایک مذہب کے 'جزوی' طور پر حق ہونے کے باوجود اور یوں اسلام کے ساتھ اُس کے 'جزوی اشتراک' رکھنے کے علی الرغم، اسلام اور اُس کا تصادم ہی پیشِ نظر رکھا جائے گا نہ کہ اسلام کے ساتھ اُس کی مماثلت۔ پس بے لحاظ اس سے کہ ایک مذہب، ایک نظریے یا ایک نظام میں کتنے فیصد حق ہے اور کتنے فیصد باطل... وہ ایک اکائی کے طور پر ہی لیا جائے گا؛ اور جب اسلام کے ساتھ کسی ایک بھی پہلو سے اُس کا تصادم ثابت

ہو جائے تو وہ پورے کا پورا رد ہو جائے گا۔ یہ اصول اگر ختم ہو جاتا ہے تو دنیا میں کوئی نظریہ، نظام یا مذہب ایسا نہیں رہ جاتا جس کو رد کرایا جائے۔ تب ہر چیز اجزاء میں تقسیم ہو گی اور ایک نظریہ، نظام یا مذہب کلیتاً رد ہونے کی بجائے محض اُس کا سپیئر پارٹ بدلا جائے گا؛ جس کے بعد وہ باطل نظریہ، نظام یا مذہب نہ صرف قبول ہو گا بلکہ جہان میں ہم اُس کے داعی اور علمبردار بن کر اٹھیں گے!

*****

یہ ہوئی اِس مسئلہ کی اصولی بنیاد۔ بنابریں، ڈیموکریسی کو 'مغربی' اور 'اسلامی' میں تقسیم کرنے کا فلسفہ بنیاد سے غلط ہے۔

'اسلامی' جمہوریت کو مفروضوں اور خوابوں کے اندر تلاش کرنا بھی یوں تو غلط ہے، اور اس کی وجہ ہم اوپر بیان کر آئے، لیکن کوئی اگر آپ کو یہ مژدہ سنائے کہ 'اسلامی جمہوریت' نامی کوئی چیز بالفعل دنیا میں پائی جانے لگی ہے تو یہ بات کسی لطیفے کے طور پر ہی سننی چاہئے۔ پھر اگر وہ یہ بھی انکشاف کرے کہ جمہوریت کی یہ 'اسلامی' قسم ہمارے اپنے ہی ملک میں دریافت کر لی گئی ہے تو اسے لطیفے کی کوئی آخری قسم کہنا چاہیے! اِس کا کچھ بیان ہم آئندہ فصول میں کریں گے۔